قیمت سالانہ تین روپیہ
قیمت ایک پرچہ [illegible]
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹
تار کا پتہ
"انجمن" علی گڈھ

انجمن ترقی اردو ہند کا ترجمان

ہمارِی زبان

ایڈیٹر آل احمد سرور

جلد ۱۵ | علیگڈھ - ۱۵ نومبر ۵۶ع | شمارہ ۴۴

انجمن کی خبریں

برہان پور (مدھیہ بھارت) مرزا محمود بیگ صاحب ساز اطلاع دیتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو برہان پور کی تشکیل نو کے سلسلے میں ایک کمیٹی منتخب کرنے کے لئے ایک مشاورتی جلسہ بتاریخ ۱۳ نومبر ۱۹۵۶ء منعقد ہوا جس میں بالاتفاق رائے مندرجہ ذیل عہدیداران کا عمل انتخاب میں آیا۔

صدر۔ حاجی صلاح الدین قریشی
جنرل سکریٹری۔ مرزا محمود بیگ ساز
جوائنٹ سکریٹری۔ جاوید انصاری
خزانچی۔ عبدالرشید

ممبر سازی اور انجمن کے علیحدہ مستقل دفتر کے قیام کے سلسلے میں بہت جلد عملی اقدامات کئے جائیں گے۔ (نامہ نگار)

بیجاپور (میسور) جناب محبوب خاں صاحب قریشی نائب سکریٹری اطلاع دیتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو بیجاپور نے اس سال جشن میلادالنبی بڑی شان و شوکت سے منایا۔ اس سلسلے میں جدت یہ کی گئی تھی کہ ایک خاکہ رکھا گیا تھا جس کا عنوان تھا "اردو آں حضرت کی خدمت میں" جلسے میں بہت سے ممتاز ہندو مسلم حضرات شریک تھے

انبالہ (پنجاب) انجمن ترقی اردو شاخ انبالہ کی دوسری میٹنگ ۱۹ اکتوبر کو انبالہ چھاؤنی میں زیر صدارت جناب اے۔ جی این ایم اے ہوئی جس میں مندرجہ ذیل ایکزیکیٹو کمیٹی کا جناب صدر نے اعلان کیا۔

وائس پریسیڈنٹ۔ پروفیسر آر۔ ڈی۔ ضیا۔ ایم۔ اے
خزانچی۔ پروفیسر اگروال صاحب ایم۔ اے
اسسٹنٹ سکریٹری۔ جناب سرداری لال شبنم و جناب کے۔ ایل بھاٹیہ۔

ممبران

(۱) جناب سی۔ این پال چاند (۲) جناب پیارے لال منظر۔ (۳) پروفیسر بیتاب صاحب (۴) جناب رام کشن تمنا صاحب۔ (۵) جناب ناتھو رام ایڈیٹر سچائی (۶) ایو۔ ہینڈ ایف۔ ایم پرشاد صاحب (۷) پروفیسر پی۔ ایل۔ آزاد صاحب ایم۔ اے۔ (۸) جناب جیون داس صاحب اختر (۹) جناب کے ایم انجم رومانی صاحب (۱۰) جناب کشن رہبر صاحب بی۔ اے (۱۱) جناب سائل جالندھری۔

جنرل سکریٹری:۔ جناب ملک اوم پرکاش صاحب آنند

جلسے میں جنرل سکریٹری جناب اوم پرکاش ملک نے پرزور الفاظ میں کہا کہ ہمارا مقصد محض مشاعرے کرنا نہیں ہے بلکہ اردو زبان کو اس کی جائز جگہ دلانا ہے اس زبان کو فروغ دینے کے لئے مشاعرے بھی مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن ٹھوس جدوجہد ہی اس زبان کو زندہ رکھ سکتی ہے۔

پنجاب کی بدقسمتی یہ ہے کہ پہلے سے یہاں پنجابی اور ہندی زبان کا جھگڑا چل رہا ہے اور ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اردو زبان بغیر ہمارے روزمرہ کے کاموں میں اڑچن پیدا ہو جائے گی مگر پنجابی اور ہندی کے پرجوش حامی ان زبانوں سے جذباتی قسم کا پیار کرنے لگے ہیں۔ اس وقت ہمارا کام بڑا کٹھن ہو گیا ہے۔

اراکین سے مخاطب ہوتے ہوئے جنرل سکریٹری نے فرمایا کہ آپ نے اپنے کندھوں پر بڑی اہم ذمہ داری اٹھائی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کا تحمل بردباری اور سوجھ بوجھ سب سے بڑھ کر کام کی لگن منزل کی ہر کٹھنائی کو آسان کر دے گی۔ (نامہ نگار)

معزز مہمان

ہمیں خوشی ہے کہ انجمن میں معزز مہمانوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری ہے۔ پچھلے دنوں جناب مولانا ریاست علی صاحب ندوی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور جناب شفیع الدین نیر صاحب استاد کا نجی جامعہ نگر تشریف لائے تھے۔ انھوں نے انجمن کے بعض کاموں کو دیکھا۔ جناب مولانا ریاست علی صاحب نے بڑی دلچسپی سے انجمن کے کام دیکھے۔ اور بہار میں انجمن کے کاموں میں مدد فرمانے کا وعدہ کیا۔

پچھلے ہفتے محترمہ انیس بہن قدوائی (دہلی) نے کرم فرمایا اور انجمن کے کاموں کو آگے بڑھانے کے لئے بعض علمی اور مالی اسکیموں میں اپنے تعاون کا یقین دلایا بلکہ بعض مالی اسکیموں میں ایک معین رقم فراہم کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے یہ اسکیمیں عنقریب ہماری زبان کے صفحات میں آئیں گی۔

کرنول (آندھرا)

جناب ناصر صاحب کرنولی سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول نے اردو کلب کے جلسے میں بہت صاف شستہ زبان میں "مستقبل اردو" کے عنوان سے ایک دلچسپ تقریر کی جس میں بتایا گیا ہے کہ اردو کے پڑوسی یوپی میں اردو کو کیسی مشکلات پیش آرہی ہیں اور آندھرا میں کتنی سہولتیں حاصل ہیں۔ خصوصاً جناب گوپال سینگھ ریڈی صاحب چیف منسٹر کی رواداری کی وجہ سے یہاں اردو خوب پھل پھول رہی ہے اور ہندی اردو دو سگی بہنوں کی طرح پروان چڑھ رہی ہیں (ہماری زبان اب تک چندہ روزہ ہے۔ یہاں سے عدم گنجائش کی وجہ سے یہ نظم نہ دی جا سکی۔)

سنگھ بھوم (جمشید پور)

جناب حبیب آروی صاحب صدر انجمن ترقی اردو سنگھ بھوم اطلاع دیتے ہیں کہ یہاں کی شاخ مقامی حالات کے مطابق اردو کے دلچسپ اور ٹھوس پروگرام بنا رہی ہے۔ جنوری ۱۹۷۰ء میں بڑے پیمانے پر جلسہ مشاعرہ اور کچھ شہیدوں کی یادگار منانے والی ہے جس کی تفصیل آئندہ اشاعتوں میں دی جائے گی۔

حیدرآباد (آندھرا)

۲۸ اکتوبر کو مسٹر حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے بدرہ کالج آف کامرس کی بزم ادب اردو کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اردو زبان اور ادب کی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے آنے والی نسل میں اردو کی بقاء تحفظ اور ترقی کے لئے زیادہ جوش و خروش کی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر عوام محض دوسروں پر تنقید میں الجھے رہیں گے تو اردو کبھی بھی ہندوستان میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکے گی ـــ اس قسم کے طرز عمل سے اردو کے خلاف نفرت پیدا ہوگی۔ انھوں نے طلبا سے اپیل کی کہ وہ وقت کے تقاضے کو سمجھیں اور بڑھتی ہوئی ناخواندگی کو دور کرنے میں مدد دیں۔ انھیں سماجی خدمات میں بھی حصہ لینا چاہئے اس کے بعد مسٹر حبیب الرحمٰن نے ہندی کے مقام اور قومی زبان کی حیثیت سے اس کی اہمیت کا ذکر کیا اور کہا ضرورت ہے کہ جہاں اردو ہندی کے موقف کو برقرار رکھنے میں قاطع عمل کریں اور اس طرح کا عمل ،، خود ہماری زبان اردو کی مناسب ترقی کے لئے مفید ہوگا۔ اردو کا ہندی سے نہایت قریبی تعلق ہے اور دونوں ایک دوسرے کی ترقی کے لئے ناگزیر ہیں۔ مسٹر عبدالحی صدیقی معتمد بزم نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (بحوالہ ریاست دکن)

گوالیار (مدھیہ پردیش)

گوالیار کی شاخ کے مستقل صدر جناب مولانا صاحب کی وضاحت پر مرتضیٰ حسن صاحب دعا ڈبائیوی نے انجمن کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اور تعمیر سازی کا کام شروع کر دیا ہے۔

غزل

جو ہو سکے تو ادھر بھی نگاہ کر لیجے
ہم اہل غم سے بھی کچھ رسم و راہ کر لیجے

نہیں ضرور کہ آپ اپنے مدعی بنئے
ہمارے باب میں خود کو گواہ کر لیجے

جو اپنے ہیں بھی نہیں اور پھر بھی اپنے ہیں
خیال ہے کہ انھیں سے نباہ کر لیجے

اگر سکون سے عمر عزیز کھونا ہو
کسی کی چاہ میں خود کو تباہ کر لیجے

کشاکش غم ہستی سے پھر نجات کہاں
اگر نصیب ہو فرصت تو آہ کر لیجے

خدا جو آپ کو توفیق دے تو آج کمال
خدا کے واسطے کوئی گناہ کر لیجے

جاوید کمال

ہماری زبان

۱۵ر نومبر ۱۹۵۶ء

اُردو کے شاعروں اور ادیبوں سے

شاعر کو "دیدۂ بینائے قوم" کہا گیا ہے۔ ہمارے شاعر یوں تو اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں مگر زیادہ تر چند مخصوص نظاروں کے لئے۔ فطرت کی نیرنگی، ماحول کی دلکشی، انسانیت کی جہالت، تنگ نظری اور خوں ریزی سے جنگ، ان کی نگاہ میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نہیں ہے۔ ادب زندگی کی تخیلی ترجمانی ہے۔ شاعروں اور ادیبوں کے لئے تخیل کی شمع ضروری ہے۔ مگر راستے کے نشیب و فراز کا علم اصلی زندگی سے گہری واقفیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں کی واقفیت گہری نہیں ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے مشرقی علوم کا مطالعہ کیا ہے اور اپنی زبان پر قدرت رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مغربی ادبیات سے بھی ایک حد تک واقف ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی اردو کے شاعر کے پاس جذبات زیادہ ہیں شعور کم اور یہ جذبات بھی گہرے نہیں اصلی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شاعر بحرالعلوم ہو۔ مگر شاعر کے پاس اگر اپنے ادب، تہذیب، جدید میلانات، انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا سامان نہیں ہے تو اس کا سفر دیر تک اور دور تک نہ ہوگا وہ جلد ہی تھک کر بیٹھ جائے گا یا اپنے آپ کو دہرانے لگے گا۔ ادیب اگر تخلیقی چنگاری کو مطالعہ یا زندگی کی کشمکش میں شرکت سے غذا نہ پہنچائے گا تو اس کے تخلیقی کارنامے پھیکے اور بے مغز ہوں گے۔ اردو کے شاعر اور ادیب پر آج پہلے سے زیادہ ذمہ داری ہے اُسے نہ صرف انسانیت کے دکھ درد کی ترجمانی کرنا ہے بلکہ اُس کے لئے مرہم بھی بننا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے تخلیقی کارناموں کے ذریعے سے اپنے حلقے میں زندگی اور بیداری پیدا کر سکتا ہے، وہ اسی ذریعے سے اردو کی مقبولیت اور اپیل کو بھی بڑھا سکتا ہے۔

عالمی رجحان کا سوال بعد میں آئے گا، پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اردو کے شاعر اور ادیب اس ہندستان سے پوری طرح واقف ہیں جو ان کا وطن ہے جس کی ایک شاندار تاریخ ہے اور جس میں مشترک تہذیب کی بنیاد پر ایک غیر مذہبی جمہوری ریاست کی تعمیر ہو رہی ہے۔ یوں اردو میں ہندستان کے ہر دور کی عکاسی ملتی ہے مگر اس میں شک نہیں کہ قدیم ہندستان کے کارناموں کا احساس عام نہیں ہے۔ یہ کارنامے کسی ایک مذہبی گروہ کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ اب انسانیت کے سرمائے کا ایک جزو ہیں، ہمیں سب کو اپنانا ہے۔ سانچی، اجنتا، ایلورا، کھجوراہو، کالی داس، اشوک، پانینی، سنسکرت، ڈراما، ان سب کا علم ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اردو شاعر اور ادیب کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ عربی، فارسی، انگریزی ادب کے جواہر پاروں کا بھی قدردان ہے اور ایشیا اور یورپ کی تاریخ پر بھی اس کی نظر ہے۔ لیکن ہر بنیاد پر ایک عمارت بھی ہونی چاہئے اور ان بنیادوں کے ساتھ ہماری تخلیقی تعمیر میں ہمارے گرد و پیش کی عکاسی بھی ضروری ہے۔ ہندستان کو آزاد ہوئے نو سال ہو گئے۔ کچھ دن تخریب کا دور رہا۔ کتنی اچھی قدریں پامال ہوئیں۔ کتنی امنگوں اور آرزوؤں کا خون ہوا مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک تعمیری کام بھی شروع ہوا۔ نیا ایک دستور ملا۔ غیر مذہبی اور جمہوری تصورات پر عقیدہ شروع ہوا، ذات پات کی تفریق کم ہونے لگی۔ پنج سالہ پروگرام شروع ہوا۔ ملک کی امن پسندی نے دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔ ہندستان، ایشیا اور افریقہ میں آزادی کا نقیب اور دنیا میں دوستی اور رواداری کا ترجمان مانا گیا۔ یہ نہیں ہے کہ ہم نے اس زمانے میں کوئی غلطی نہیں کی یا ہم میں اب تنگ نظری نام کو نہیں رہی یا جمہوریت پسندی اور عوام دوستی عام ہو گئی۔ ہم میں ابھی بہت خامیاں ہیں۔ ہمیں ابھی بہت آگے بڑھنا ہے۔ بہت سی غلط باتیں جو روایات بن گئی ہیں، چھوڑنا ہیں، مساوات، عدل اور اخوت کو عام کرنا ہے۔ اقلیتوں کے تمام جائز حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ تمام زبانوں کو ترقی کے مواقع دینا ہیں۔ مگر انصاف، دیانت اور سچائی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس احساس شکست، اُس مایوسی، افسردگی اور اداسی، اس بے یقینی، بے دلی اور بے مرکزی سے نکلیں جو سنہ ۴۷ء کے حالات سے ہم پر طاری ہو گئی تھی اور ہمارا مزاج بن گئی تھی۔ نئے ہندستان نے کئی چیزوں میں بڑی ترقی کی ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہے تو وہ آج دلی میں ہونے والی نمائشیں دیکھے۔ یہ نمائشیں محض سرکاری پروپیگنڈا نہیں ہیں۔ ان سے علم و فن تہذیب و تمدن کی کتنی ہی منزلوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہندستان رفتہ رفتہ صنعتی ترقی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ لطیف جذبات، اعلیٰ خیالات، شریفانہ مشاغل کی موت ہے۔ ہمیں اس نظریے سے اتفاق نہیں۔ ہمیں حسن کے مانوس تصور کو ہمیشہ سینے سے لگائے نہیں رہنا چاہئے۔ بلکہ ہزار شیوہ زندگی میں ہر کرشمۂ حسن کو بھی دیکھنا چاہئے۔ مشینوں کے آہنگ، جہازوں کی سرعت، بستیوں کی جگمگاہٹ میں بھی حسن ہے۔ شاعروں اور ادیبوں کو اس حسن سے مانوس ہونا چاہئے اور اس حسن کے

اسباب پر بھی غور کرنا چاہیے۔

ہندی کے علاوہ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندستان بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر یونین کی سرکاری زبان ہندی ہے تو کیا اردو بھی ایک قومی زبان ہے اور اُن چودہ زبانوں میں سے ہے جن کا دستور میں تذکرہ ہے اور جن کی بقا اور ترقی کی دستور نے ضمانت کی ہے۔ کیا اردو کے ادیب اور شاعر ہندستان کی دوسری زبانوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کیا انھیں اس کا علم ہے کہ ان میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب کون کون ہیں اور اُن کی معرکہ آرا تصانیف کیا کیا ہیں۔ کسی کو اپنے قریب لانے کے لئے اس کے قریب بھی جانا پڑتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے ادیب ہمارے ممتاز ادیبوں کو جانتے ہیں۔ یہ فخر کی بات ہے مگر ہمیں بھی تو دوسری ہندستانی زبانوں کے شاعروں اور ادیبوں سے آشنا ہونا چاہیے۔

اردو کے شاعروں اور ادیبوں کو ہندستان کے ماضی و حال سے اور گہری واقفیت پیدا کرنا ہے۔ صرف اردو زبان کی ترقی کے لئے نہیں، اردو ادب کی توانائی اور تب و تاب کے لئے بھی۔ کسی مجبوری کی بنا پر نہیں، ایک خوشگوار فرض کی طرح۔ جو لوگ فرائض کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں، انھیں اُن کے حقوق خود ہی مل جاتے ہیں ؎

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

ہماری زبان ہفتہ وار

ہم عام طور پر اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کوئی اسکیم اور کام جب تک مکمل نہ ہو جائے یا اس کی بنیاد مستحکم نہ ہو اسے اخباروں میں شائع نہ کیا جائے۔ ہماری اس احتیاط سے بعض مخلصین کو شکایتیں بھی ہوئیں اور بعض جلد بازوں کو غلط فہمیاں بھی۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اداروں کو خصوصاً جو ادارے علمی اور ٹھوس کام کرنا چاہتے ہیں۔ کام زیادہ اور اس کی اشاعت کم کرنا چاہیے، کام ایسا ہو کہ خود اپنے منھ آپ بولے۔

اسی احتیاطی روش کے تحت ہماری زبان کو ہفتہ وار کرنے کی اطلاع تمام انتظامات ہر طرح مکمل کر لینے کے بعد ہماری زبان میں شائع کی گئی۔ حالانکہ دوسرے اخباروں میں ہم سے پہلے شائع ہو چکی تھی۔

انتظامات میں صرف آخری کڑی ڈاک خانے کے نمبر کی رہ گئی تھی۔ اس کے لئے بھی بہت پہلے ڈاک کے محکمے کو درخواست بھیج دی گئی تھی۔ یہ معاملہ اتنا اہم نہ تھا۔ ایک پندرہ روزہ اخبار کو ہفتہ وار کرنے کے لئے صرف اجازت ملنی تھی اگر ہماری توقع ہی کے مطابق نمبر مل جاتا تو ۱۵ اکتوبر سے ہماری زبان ہفتہ وار ہو جاتا۔ تاریخِ مقررہ پر ایک مہینہ گزر جانے کے بعد بھی ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اپنے پڑھنے والوں سے اشاعت کی کوئی قطعی تاریخ بتا سکیں۔ اس لئے صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ نمبر آتے ہی اخبار ہفتہ وار ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ہماری کارروائیاں اور خام کاریاں اتنی طویل ہیں کہ ان کا ذکر آپ کے لئے دلچسپ نہ ہوگا۔

اگر اب خطوں، تاروں وغیرہ کے بعد بھی کار برآری نہ ہوئی تو مجبوراً "پیروی" کی سطح پر کام ہوگا اور لکھنؤ میں کسی صاحب کو اس کام پر متعین کیا جائے گا۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

انجمن کے لئے بہتر موقع

(از مدیر معاصر ہفتہ وار جمہور، بنگلور)

کشمیر اور جموں اسٹیٹ کا ہند میں انضمام اب ہر حیثیت سے مکمل ہو چکا ہے۔ یہ انضمام جہاں دور رس سیاسی نتائج کا حامل ہے وہاں ہندستان میں اردو زبان کے حق میں بھی دور رس نتائج کا حامل ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندستان کی لسانی تقسیم سے متعلق پارلیمنٹ کے حالیہ فیصلہ میں بھی اردو کو نظر انداز کر دیا گیا اور یہ نظر اندازی محض ملک کی داخلی سیاست کی مصلحتوں کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔ کیونکہ دستور میں جن زبانوں کو ملک کی مستند قومی زبانوں کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا ان میں اردو کو بھی مساوی درجہ دیا گیا تھا۔ مگر اردو کو ملک کے کسی بھی علاقے کی زبان کا درجہ علاقہ کی تخصیص کے ساتھ نہیں دیا گیا۔ کشمیر اور جموں اسٹیٹ میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر دستورِ ہند میں اردو کی مذکورہ حیثیت کو تقویت پہنچائی گئی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرقہ پرستی اور تعصب کی گندی فضا سے باہر رہ کر جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ کسی بھی قسم کی عارضی مصلحتوں سے دبے ہوئے نہیں ہوتے۔ کشمیر کی مجلس دستور ساز کا یہ فیصلہ ایسی ہی فضا میں کیا گیا ہے۔

اب انجمن ترقی اردو ہند کے موجودہ موثر اقدام کے لئے کسی قدر بہتر فضا موجود ہے، اردو کو اس کے جائز حق سے محروم کرنے والے ہندی کے حامی نہیں تھے بلکہ خود اردو کے نادان دوستوں کی ناعاقبت اندیشی تھی جس نے رسوائی کی صورت اختیار کر لی تھی اور زبان میں بھی انھیں اپنا مذہب نظر آنے لگا تھا۔ یہ اس یرقان کے مریض تھے جو تنگ نظری سے پیدا ہوا تھا اس لئے ہر شے انھیں ان کے مرض والے رنگ ہی کی نظر آ رہی تھی۔ یہ تنگ نظری اب بھی موجود ہے مگر اس کے اثرات بتدریج کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ مرحوم قاضی عبد الغفار کے لئے بھی یہی عنصر رکاوٹ بنا رہا۔ اب آل احمد سرور جیسے غیر سیاسی فرد کے ہاتھوں میں اس ادارے کی باگ ڈور دی گئی ہے تو ہماری یہ توقع بے جا نہیں کہ آپ جذباتی حلقوں کی تنقید سے متاثر نہ ہوتے ہوئے انتہا پسند حلقوں

(باقی صفحہ ۹ پر)

آل احمد سرور

اُردو کے صاحبِ طرز نثر نگار

"رشید احمد صدیقی"

برنارڈ شا نے کہا ہے کہ "بات کو بھرپور ہونا ہی اسٹائل کی ابتدا اور انتہا ہے" جس طرح نظم کا انداز اور ہے بزم کا اور۔ اسی طرح نثر اور نظم کے اسلوب جدا جدا ہیں۔ نظم میں الفاظ آتش گیر مادّے کی طرح بھک سے اڑ جانے والے ہیں یا اس سیلاب کی طرح جو سب کچھ بہالے جائے۔ نثر میں بجلی کے اس بٹن کی طرح جو فوراً روشنی کردے۔ نظم عشق کی ایک جست ہے جو قصہ تمام کردیتی ہے۔ نثر اس منظم فوج کی طرح ہے جو باقاعدہ مارچ کرتی ہے۔ ترتیب سے صفیں قائم رکھتی ہے اور دستور کے مطابق لڑتی یا پسپا ہوتی ہے۔ نظم ہمالیہ کی بلندی ہے جس کی کشش اور عظمت مسلّم لیکن جس پر ہم آپ تو کیا تین سنگھ اور ہیلری بھی زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے۔ نثر اس وادی کی طرح ہے جس میں رہنا، بسنا، خواب دیکھنا اور حقائق کی چکی میں پسنا غرض زندگی کا سارا بیوپار ہوتا ہے۔ نظم تخلیقی اظہار ہے نثر تعمیری اظہار ہے۔

اچھا نثر نگار وہ نہیں ہے جو اپنی سحربیانی یا خطابت کے جھنڈے گاڑ دے یا الفاظ سے زیادہ ادقاف سے کام لے۔ اچھی نثر کے معنی آئینے کی طرح روشن اور بھرپور بات کے ہیں۔ اچھے شعر کی طرح اچھی نثر بھی خونِ جگر سے لکھی جاتی ہے۔ یعنی اس کے لئے خلوص اور ریاض دونوں ضروری ہیں۔ شخصیت کی آب و تاب نظم و نثر میں مختلف رنگوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ایک میں یہ شعلہ کی لپک اور لہو کی دھار ہے۔ دوسرے میں کسی حسینہ کا وہ دلنواز تبسّم جو آئینۂ رخسار کو جلا عطا کرتا ہے۔ اردو میں نثر کے حسن کو پہچاننے اور برتنے والے نظم کے مقابلے میں کم ہیں۔ ہماری نثر کے بانی سرسید، حالی اور شبلی ہیں۔ انھیں کے چراغوں سے موجودہ دور کے نثر نگاروں نے اپنی شمع روشن کی ہے۔

رشید احمد صدیقی کے اسلوب میں علیحدہ علیحدہ بہت سے اسالیب فکر و فن کی کارفرمائی ملے گی۔ مگر مجموعی طور پر وہ اپنا ایک خاص طرز رکھتے ہیں۔ شخصیت مختلف اثرات و محرکات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ مگر اس میں ایک انوکھاپن اور انفرادیت ضرور ہوتی ہے۔ رشید احمد صدیقی کی نسل اچھی خاصی رومانی نسل تھی اس نے ادب اور سیاست کو بہت سے خواب دیے۔ اس کے زمانے میں بقول سجاد انصاری "پیر دنیا کی خانقاہ سے مجاہدوں کا لشکر برآمد ہورہا تھا" سرسید کے ادارے پر شبلی کا اثر ہو چلا تھا۔ غالب کی عظمت دریافت ہو چکی تھی۔ آسکر وائلڈ اور چسٹرٹن کی مقبولیت ہندستان پہنچ گئی تھی۔ رشید صاحب کی طالب علمی کا علی گڑھ سیاست میں نیاز مند اور ادب میں خاصا دلیر تھا۔ اس تضاد نے اور طالب علمی میں ہی زندگی کے خاصے تجربوں نے ان میں وہ نظر پیدا کی جو خوابوں کی خامی، حقائق کی سخت جانی اور جذبات و خیالات کے سیلاب میں کیچڑ دیکھ لیتی ہے۔ ان کی مشرقیت کی بنیاد خاصی مضبوط تھی۔ مغربی خیالات کا طوفان ان کی زندگی کو نہ بدل سکا۔ ہاں انھیں اس طوفان پر ہنسنا اسی مشرقیت نے سکھایا۔ وہ غالب کی رعنائی خیال کے دلدادہ ہوگئے مگر مسلک انھیں اکبر ہی کا عزیز رہا۔ اردو اور فارسی ادب کے گہرے مطالعے نے انھیں اظہار و ابلاغ کے ڈھنگ سکھائے۔ اپنے ادارے کی محبت نے انھیں ایک مرکز اور محور دیا۔ انسان دوستی شرافت اور تہذیب کی مروجہ قدروں کے سہارے انھوں نے ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ اردو نثر بھی ایک اکبر کی منتظر تھی۔ رشید احمد صدیقی نے یہ کمی پوری کردی۔

اب تک ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ طنزیات و مضحکات اردو میں اس رنگ کا ایک جائزہ ہے۔ جائزہ نہ محققانہ ہے نہ مکمل مگر اس میں نکتہ سنجی بھی ہے اور شوخی بھی۔ ان کی بلاغت کی وجہ سے یہاں بھی دریا کوزے میں بند ہوگیا ہے۔ ان کے مزاحیہ مضامین کے دو مجموعے مضامین رشید اور خنداں کے نام سے شائع ہو چکے ہیں "گنج ہائے گراں مایہ" ان محبوب شخصیتوں کا مرقع ہے جو اب مرحوم ہیں اس میں اقبال، اصغر، سجاد حیدر، شاہ سلیمان، احسن مارہروی جیسی ادبی شخصیتیں بھی ہیں اور سلیمان، مولانا ابوبکر، ایوب اور نصیر الدین علوی جیسے اشخاص بھی جن کے دل آویز نقش رشید صاحب کی بدولت محفوظ ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ دو چھوٹی کتابیں اور قابلِ ذکر ہیں۔ ایک ذاکر صاحب اس میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی پرسوز تابناک اور دلکش شخصیت کا تاثر ہے۔ دوسری شیخ نیازی، جو یوں تو ایک بچے کی کہانی ہے اور بچوں کے لئے ہے۔ مگر جس میں روز مرہ زندگی کے اتار چڑھاؤ بچوں کی نفسیات، والدین کے رکھ رکھاؤ کی بڑی شوخ و شنگ تصویر ہے شیخ نیازی اس انسان کی علامت ہے جس سے دوسرے انسان بیزار ہیں۔ مگر جس کی چنگاری سے خدا مایوس نہیں ہے۔

رشید صاحب اردو کے ممتاز مضمون نگاروں میں سے ایک

فنون صحیح معنوں میں حسن کی جستجو اور شخصیت کی آزاد نمو ہے۔ یہاں مقصد سے زیادہ نظر کی اہمیت ہے۔ رشید صاحب کی بے ربطی کا ہندستانی تہذیب کے جلوہ صد رنگ کی طرح ہے دونوں میں ایک اندرونی وحدت ہے جو جلوؤں کی کثرت میں سچی نظر رکھنے والے پاکر نہیں سوجھتی۔ ان کے جھٹکے میں ایک رمز اور ان کے تماشا میں بھی ایک منطق ہے۔ ان کی مزاح نگاری مہذب انسان کی وہ ہنسی جیسی ہے جو ہر قدم میں رونق دیکھ لیتی ہے۔ خواہ وہ رومانیت کا کرشمہ محل ہو یا جذباتیت کا جادو۔ اقبال کی طرح وہ قدیم اور جدید سرچشموں سے متاثر ہوئے ہیں اور اقبال ہی کی طرح وہ قدیم کی طرف مائل ہیں۔ ان کے اس رویے سے کسے اختلاف ہوگا، کہ کوئی بے مقصد شخص معقول شاعر نہیں ہو سکتا۔ جس شخص میں شریفوں کے کچھ اطوار نہ ہوں، اس میں فنون لطیفہ کے آثار کیسے مل سکتے ہیں؟ مگر یہاں معقول اور شریف بڑے پر فریب لفظ ہیں۔ رشید صاحب کے نزدیک ان کے معنی متعین ہیں۔ زندگی میں ان کی تعبیریں بدل جایا کرتی ہیں۔ رشید صاحب کو اصولوں سے زیادہ اشخاص سے، اداروں سے زیادہ افراد سے، نئے حسن کی دریافت کے مقابلے میں مانوس اور جانے پہچانے حسن سے۔ کثرت تعداد کی بجائے وحدت نظر سے زیادہ شغف ہے۔ یہی ان کی طاقت اور یہی ان کی کمزوری ہے اسی نے ان میں انفرادیت اور بانکپن پیدا کیا ہے۔ اور اسی کی وجہ وہ جدید دور کے "دودہ و دانش اور سوز و ساز" سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہونے پائے۔ وہ اس بزرگ کی طرح ہیں جو بچوں کے گھروندوں کو دلچسپی اور ہمدردی سے مگر ذرا دور سے دیکھتا ہے حالانکہ کسی کھیل کی طرح بے دھڑک کود پڑنے سے آتش نمرود آج بھی گلزار ہو سکتا ہے۔

رشید صاحب کا ذہن انیسویں صدی کی ساری خلقتیں رکھتا ہے۔ اس کی انسان دوستی۔ اس کا اعتدال۔ اس کی وضعداری اس کی وفاداری۔ اس کی پختگی۔ اس کا استقلال۔ یہ نہ مدعا ہے نہ تدعا۔ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔

رشید صاحب کو لکھنا کسی نے نہیں سکھایا۔ ہنس کو تیرنا کون سکھاتا ہے۔ ہاں انھیں غالب، اکبر اور شبلی سے سہارا ملا اور چیسٹرٹن، اسٹروکنڈ اور برنارڈ شا سے رموز فن۔ ان کے یہاں بڑی پختگی، رچاؤ اور نکھار ہے اس کے پیچھے اردو فارسی شعر و ادب کی صالح روایات کا بھرپور احساس ہے اور اس میں کتنی ہی کلاسیکل آوازوں کی گونج بھی۔ ان کا تخیل عجیب و غریب چیزوں میں ربط ڈھونڈھ لیتا ہے اور ایک چابکدست کمہار کی طرح مٹی کے معمولی مسالے سے حسن و عشق کی پتلیاں بنا لیتا ہے " مرد اور عورت دونوں کا ایک ہی جوہر ہے دونوں طاقت اور رفاقت پسند کرتی ہیں۔ پولیس اور یونیورسٹی دونوں تحقیقات پر ایمان رکھتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک سزا دلاتی ہے، دوسری سند دیتی ہے" "کرسمس کا زمانہ تھا جب انگریز کیک اور ہندستانی سردی کھاتا تھا"۔ ان جملوں میں قول محال PARADOX نے بڑی جاذبیت پیدا کر دی ہے۔ ان کی تشبیہات بڑی خیال انگیز ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت ایک چلبل جھڑی کی سی ہے "شیخ پیرو کا قد ایک ببول کے تنے کی مانند ہے" " صدر کرسی صدارت پر اس طرح رونق افروز ہیں جیسے ٹوٹ پر تیجا ہو" "شراب کی بوتل اس طرح جیب سے باہر نکلے جیسے دلہن حجلہ عروسی سے باہر نکلے یا بہادر کی تلوار نیام سے باہر آئے یا شباب کا خواب مجسم ہو جائے" "پورب سے کالا کالا بھل سا بادل اٹھا۔ گھٹتا۔ جھومتا، چنگھاڑتا، بل کھاتا ہوا جیسے انگریزوں کا ڈریڈ ناٹ کہیں پیام صلح لئے جا رہا ہو یا کسی چٹان پر جوانی تھپاڑ رہی ہو" "محمد علی کی تحریر و تقریر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "کس بلا کے بولنے والے اور لکھنے والے تھے۔ بولتے تو معلوم ہوتا ابوالہول کی آواز اہرام مصری سے ٹکرا رہی ہے۔ لکھتے تو معلوم ہوتا کرپ کے کارخانے میں توپیں ڈھل رہی ہیں۔ یا پھر شاہجہاں کے ذہن میں تاج کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے" مارواڑی عورتوں کے متعلق ان کا یہ تبصرہ کہ یہ گوشت، گندگی اور گہنے کا مجموعہ ہیں" ان کی ایک اور خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ہم آواز الفاظ سے بڑا کام لیتے ہیں اور ان کی نثر میں ترنم بہت نمایاں ہے۔

ان کی تحریروں میں بلاغت کے ساتھ ساتھ ندرت تخیل کی بڑی دلکش چاندنی ملتی ہے۔ شیطان کی آدم کے متعلق رائے ہے "آدم میرے بڑے بھائی تھے۔ لیکن نہایت سادہ لوح، ضدی اور جاہل۔ ذرا یہ کرشمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ نہ بندوق اپنی نہ نشانہ اپنا نہ ارادہ اپنا نہ مقصد اپنا صرف اپنے کندھے پر رکھ کر چھڑوا لی۔ یہ نہ سمجھے کہ ان کی اس حرکت سے کتنا بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا اب جو کہتا ہوں کہ یہاں یہ کیا کیا تو کہتے ہیں کہ ہم خلاصۂ کائنات ہیں" اسی مضمون میں لکھتے ہیں" آدم نے قوائے الٰہیہ کو منتقل کر دیا تھا۔ انکار ابلیسی نے اسے شگفتہ بنا دیا۔ انکار انہیں ایک آئینہ تھا جس میں حقیقت نے پہلی بار حقیقت کو پہچانا" ایک موٹر کے متعلق گل افشانی ملاحظہ ہو" رکی رہتی تو معلوم ہوتا کوئی سنیاسی حبس دم کئے ہوئے ہے۔ چلنے والی ہوتی تو معلوم ہوتا جاپان میں زلزلہ آرہا ہے۔ چلتی تو پھر۔

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"

رشید صاحب نے ہماری سماجی زندگی کی بڑی روشن تصویریں

پیش کی ہیں۔ جھونپڑی کی کسی کی لڑکی ہمارے عوام کی تصویر ہے۔ "سر پر گٹھری اور بغل میں بستر ہے۔ کاندھا انگلی کا کام دے رہا ہے۔ انگلی بچے کے ہاتھ میں ہے۔ شلوکے کے بند سے بندی بندھی ہوئی ہے کوئی ہانپ رہا ہے۔ کوئی کانپ رہا ہے۔ عورتیں کوس رہی ہیں۔ مرد ہاتھا پائی کرتے ہیں۔ بچے بلبلا رہے ہیں۔"

اخبار نویس کے لئے دستور العمل ملاحظہ ہو۔

"اخبار نویس کو اس اصول پر چلنا چاہئے کہ اخبار سے کسی کو فائدہ پہنچے۔ اخبار کو برابر فائدہ پہنچتا رہے۔ اخبار نویسی اس طرح شروع کرنی چاہئے۔ جیسے دین خطرے میں ہے۔ قوم تباہ ہو رہی ہے۔ حکومت نامشدنی اور گردن زدنی ہے۔ لیکن ختم یوں کرو گویا تم نے دین کی خاطر یا قوم کی حمایت میں یا حکومت کی مخالفت میں اخبار بند کر دیا۔ اور بنک میں حساب کھول دیا۔ ان کے نزدیک عورتوں کی تین قسمیں ہیں بعض تو ایسی ہیں۔ جنھوں نے سورج اور آسمان بھی نہیں دیکھے ہیں۔ گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ فاقہ کرتی ہیں بچے پالتی ہیں اور چکی پیستی ہیں۔ یہاں تک کہ در و دیوار کی چکی خود انھیں پیس ڈالتی ہے بعض ایسی ہیں جو بہت پان کھاتی ہیں۔ چھالیا کترتی ہیں۔ شوہر کو گالی دیتی ہیں اور اپنے بیکے والوں کی پرورش کرتی ہیں۔ لیکن اب ایک قسم اور پیدا ہو گئی ہے۔ یہ انگریزی بولتی ہیں۔ ساڑی پہنتی ہیں اور سنیما دیکھتی ہیں۔ شوہر ان کی خدمت کرتے ہیں۔ اور یہ قوم کی خدمت کرتی ہیں۔ نظام تعلیم پر تبصرہ دلچسپ ہی نہیں غور طلب بھی ہے "یہاں پر ہر ایک کو ایک ہی قسم کا منتر پڑھاتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے سانپ سے کھیلنا سکھاتے ہیں۔ ایک قسم کا ماتب دیتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے کام لیتے ہیں۔ شکار پر گزران کرنے والوں کو مزار کھلاتے ہیں۔ کھیت جوتنے والے کو گورکنی سے واقف کراتے ہیں۔ ہل پر گھاس لاد دیتے ہیں۔ نقش نگینے کا کام کرنے والے سے گھر بلواتے ہیں۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والے کو یورپ کا خواب دکھاتے ہیں۔ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتے ہیں اور ایک راستے پر چلاتے ہیں۔"

رشید صاحب نے ہمیں کئی کردار دئے ہیں۔ مرشد۔ حاجی بغلول۔ ماما بدل۔ ابجد۔ انھیں ہندوستانی دیہات اور قصبوں کے حسن اور بدصورتی دونوں کی ہمدردی سے تصویر کھینچی آتی ہے۔ وہ مکالمے کی کھنک اور اس کے لوچ کو تحریر میں منتقل کر سکتے ہیں وہ اشعار میں تصرف کر کے یا ان کی طرف اشارہ کر کے حسن آفرینی اور اختصار دونوں کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ وہ ہماری معلومات میں اضافے کے ٹھیکیدار نہیں، ہمارے تاثرات میں تنوع، تناسب اور صحت مندی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں ان کی مزاح نگاری، مرقع نگاری اور تنقید نگاری میں وزن و وقار ان کی انشا پردازی سے آیا۔

جامعہ اُردو علی گڑھ

جامعہ اردو کا قیام [illegible] کے اواخر میں بزم اقبال کی شاخ کے طور پر آگرہ میں عمل میں آیا۔ جناب طاہر فاروقی صاحب اس کے پہلے رجسٹرار تھے۔ اس کا پہلا امتحان [illegible] میں ہوا جس میں صرف ۱۲ سنٹروں سے ۱۵۰ امیدوار شریک ہوئے۔

[illegible] میں امیدواروں کی تعداد ۷۵۲ تھی جنھوں نے ۴۰ سنٹروں سے شرکت کی تھی۔ [illegible] میں یہ ادارہ آگرے سے علی گڑھ منتقل ہوا اور جناب سید معین الدین صاحب علوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اس کے اعزازی رجسٹرار مقرر ہوئے۔ [illegible] میں ۸۱ سنٹر اور امتحان دینے والوں کی تعداد ۲۳۰۷ تھی جو [illegible] میں بڑھ کر ترتیب وار ۱۲۵ اور ۹۵۸۴ ہو گئی۔ امسال سنٹروں کی تعداد ۱۲۵ اور شرکائے امتحان کی تعداد ۹۵۰۰ ہو گئی ہے۔

[illegible] تک جامعہ کا کام مسلم یونیورسٹی کے ایک کمرہ میں ہوتا تھا لیکن جناب علوی صاحب کی کوشش اور جناب نواب رحمت اللہ خاں صاحب بہادر کی فیاضی کی بدولت آج یہ کام نواب صاحب موصوف کی کوٹھی کے پانچ کمروں اور بڑے ہالوں میں اطمینان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ عمارت ڈسٹرکٹ جیل کے ریلوے کراسنگ کے پار نمائش روڈ پر جانسن کمپنی کے احاطے میں واقع ہے۔ لیکن کارکنان جامعہ کو خیال ہے کہ اس کی عمارت اپنی ہو اور وہ ہو اس کے شان شایان۔

جامعہ کی مجلس منتظمہ کے آنریری عہدہ داران حسب ذیل حضرات ہیں:-

(۱) رئیس جامعہ:- جناب سعید الملک کرنل نواب ڈاکٹر حافظ محمد احمد سعید خاں صاحب بہادر آف چھتاری (۲) امیر جامعہ:- جناب ڈاکٹر ہردے ناتھ صاحب کنزرو ممبر پارلیمنٹ۔ دہلی۔ (۳) نائب امیر جامعہ:- جناب پنڈت راج ناتھ صاحب کنزرو۔ کرشن بھون۔ چیلی اینٹ آگرہ۔ (۴) شیخ الجامعہ۔ عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔ (۵) نائب شیخ الجامعہ:- عالی جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ (۶) خازن:- عالی جناب شفاء الملک حکیم عبد اللطیف صاحب پرنسپل طبیہ کالج۔ علی گڑھ (۷) رجسٹرار:- جناب سید معین الدین صاحب علوی۔ شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہے۔ اکبر کی طرح ان کا قلم بھی وصف شگفتگی میں کامل ہے۔ ان کا نام آتے ہی بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ؎

"بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا"

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو دہلی)

اُردو دنیا

اُردو کے حامی گورنر

مدھیہ پردیش کے گورنر اور ممتاز پرانے کانگریسی رہنما جناب ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ نے انجمن ہائی اسکول ناگپور کے ایک جلسے میں اردو میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

میں نے اردو بڑی محنت اور دلچسپی سے سیکھی ہے اردو رسم خط بظاہر مشکل ہے لیکن پڑھنے میں بڑا آسان معلوم ہوتا ہے میں نے باغ و بہار، حاتم طائی اور مرد میدان جیسی اردو کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے ایک خاص لغت تیار کی ہے جو ۱۳۲ مضامین پرمشتمل ہے میں زیادہ تر اردو بولنے کی کوشش کرتا ہوں۔

بچوں کو ان کی مادری زبان اردو میں تعلیم دینے سے مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے اس صوبے میں گزشتہ چار سال تک اردو اسکولوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن میں نے اردو اسکولوں کو جاری رکھنے کے لئے پورا زور لگایا اور اردو اسکول جاری کرائے۔ اب آپ کا نیا صوبہ بمبئی بن گیا ہے۔ مجھے یقین ہے وہاں آپ کو اردو کے سلسلے میں تکلیف نہ ہوگی۔

ایک ادیب کی وفات

"افکار" بھوپال کی خبر ہے کہ مہاکوی پنڈت کیشو پرشاد پاٹھک کا مرض دق میں انتقال ہوگیا۔ چیف منسٹر پنڈت شکلا نے انھیں علاج کے لئے چھندواڑہ سینیٹوریم میں بھیجا تھا پنڈت کیشو پاٹھک ہندی کے وہ پہلے کوی ہیں جنھوں نے عمر خیام کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے ویسے میتھلی شرن گپت نے بھی کیا ہے لیکن وہ پاٹھک جی کے ترجمے سے اچھا نہیں کہا تھا۔

اس کے علاوہ پاٹھک جی نے اردو میں بھی بہت کچھ لکھا ہے آپ کا تخلص ندیم تھا۔ ان کی اردو شاعری کا مجموعہ "گلدستۂ ہندی" ادب میں بہت مشہور ہے جس کی تعریف حضرت فراق گورکھپوری نے بھی کی ہے۔

دو سپاس نامے

جناب پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم ہند جب ریاستی پولیٹیکل کانفرنس کے سلسلے میں جون پور گئے تو محمد حسن انٹر کالج جونپور کے طلبہ، اساتذہ اور منتظمین کی طرف سے ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

موصوف کی خدمت میں ایک اور سپاسنامہ انجمن اشاعت اردو کی طرف سے دیا گیا جس میں بتلایا گیا ہے کہ جون پور شہر شعروادب میں امتیازی شان رکھتا ہے جہاں بہت سے شاعر گزرے ہیں اور آج بھی سلام، واثق اور حضرت شفیق جونپوری علم و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حضرت شفیق جونپوری تحریک ترک موالات کے زمانے سے وطن کی عظمت و آزادی کے ترانے سنا رہے ہیں۔ اب وہ چند سالوں سے صاحب فراش ہیں جس سے ان کی اقتصادی حالت اچھی نہیں رہی۔ وہ ۵۰ کتابوں کے مصنف ہیں اور ۴۰ سال سے ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

پریم چند روس میں

لینن گراڈ کے ایک مستشرق دکٹر بان نے ایم۔ اے کے لئے ایک مقالہ لکھا ہے "پریم چند — افسانہ نگار کی حیثیت سے" لینن گراڈ یونیورسٹی کے مشرقی علوم کے شعبہ نے اس مقالے کو منظور کرلیا۔ اس میں انھوں نے ادیب کی حیثیت سے پریم چند کے ذہنی ارتقا اور ان کے فن کی نمایاں خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔ آج کل بان ہندوستان میں ہندوستانی لسانیات کا مطالعہ کر رہے ہیں (تاس)

ہندی اردو سے دور نہ رہے گی

حیدرآباد کے چوک ہائی اسکول کی بزم اردو کی صدارت کرتے ہوئے جناب پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ نے کہا۔ اب اردو کے تعلق سے بعض غلط فہمیاں دور ہوتی جارہی ہیں اور یہ تسلیم کیا جارہا ہے کہ اردو رسم خط مشرق قریب اور ہند کے درمیان "قاصد اتحاد" ہے۔ اور اردو جس مخلوط تہذیب کی امانت دار ہے جب تک اس تہذیب سے پورا پورا استفادہ نہ کیا جائے ملک کی ترقی مکمل نہیں ہوسکتی۔ موصوف نے مزید کہا کہ دنیا کی کوئی زبان دوسری زبانوں کے اثرات سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ یہاں تک کہ عربی اور سنسکرت جیسی زبانوں پر بھی دیگر ممالک کی زبانوں کے اثرات مسلمہ ہیں اردو بھی ایک ملی جلی تہذیب کی علمبردار ہے جس کی آزاد ہند میں سخت ضرورت ہے۔ اردو اور ہندی کے قریبی رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سروری نے توقع ظاہر کی کہ ہند میں جو ہندی رائج ہوا تھا ہوگی وہ اردو سے زیادہ دور نہ ہوگی۔

کشمیر میں اردو

کشمیر کی اسمبلی نے اپنے اجلاس میں یہ طے کردیا کہ وہاں کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔ البتہ انگریزی ساتھ ساتھ جاری رہے گی۔

شیعہ کانفرنس میں اردو

کان پور میں اتر پردیش کی شیعہ کانفرنس دسمبر کے پہلے ہفتے میں ہوئی۔ صدر جلسہ بشیر حسن عابدی صاحب نے

اپنے خطبے میں اردو کی حق تلفی کا ذکر کیا اور جلسے میں یہ تجویز منظور ہوئی کہ اس صوبے کی اکثریت (ہندو اور مسلمان) اردو لکھتی پڑھتی ہے اور بولتی ہے اس کے باوجود سرکاری دفتروں میں اردو کا استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔ تجویز میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ پہلے کی طرح اردو کے استعمال اور اس کے ذریعے کاروبار کی اجازت دی جائے۔

اردو ہندی ہاتھ

وزیر اعظم حکومت ہند جناب پنڈت جواہر لال نہرو نئی ریاست آندھرا پردیش کا افتتاح کرنے حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ انھوں نے گاندھی بھون میں آندھرا پردیش (سابق حیدرآباد اور آندھرا) کی کونسل کے ممبروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اردو یا ہندی سمجھتے ہوں، اپنے اپنے ہاتھ اٹھائیں۔ اس پر سب لوگوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔ اس کے بعد پوچھا کہ انگریزی کتنے لوگ جانتے ہیں۔ ایک اچھی خاصی تعداد نے ہاتھ اٹھائے اس پر آپ نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تقریریں کیں اور ہندستانی تقریر کرتے ہوئے مزاحاً فرمایا کہ جو لوگ ہنس نہیں رہے ہیں شاید وہ میری تقریر نہیں سمجھ رہے ہوں گے۔"

مشترک میراث

مسٹر بی۔ وی نرسنگ راؤ صدر پردیش کانگریس نے سائنس کالج کی بزم اردو کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا۔

سنسکرت آمیز ہندی اور فارسی آمیز اردو کو چلانے کا رجحان غلط اور بے سود ہے اس قسم کے مصنوعی الفاظ نکال دیے جائیں تو ہندی اردو میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

انھوں نے فرمایا کہ اردو ایک زندہ اور جاندار زبان ہے یہ کسی خاص طبقے یا ریاست کی ملکیت نہیں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترک میراث ہے۔ جس کی ترقی اور حفاظت سب کا فرض ہے۔

دہلی اسٹیٹ کی زبان

دہلی اسٹیٹ میں ہندی سرکاری زبان ہو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دہلی میں اردو کو ایک علاقائی زبان کا درجہ بھی ملنا چاہیے۔ یہ بھی ایک معقول بات ہے۔ لیکن ہمیں دہلی سرکار کے چیف منسٹر سردار گورمکھ نہال سنگھ کی یہ منطق سمجھ میں نہیں آئی کہ دہلی میں ایک ساتھ دو زبانوں — اردو اور پنجابی — کو علاقائی زبان قرار دیا جا سکتا ہے "علاقائی زبان" یہ الفاظ ہی بجائے خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ کسی بھی علاقہ میں مقامی زبان ایک ہی ہو سکتی ہے دو نہیں۔ اگر دہلی میں کوئی اسکول اپنے طور پر پنجابی زبان پڑھانا چاہے تو ایک الگ بات ہے لیکن اسے وہ درجہ دینا مشکل ہے جو اب کے پنجابی خطے میں پنجابی زبان کو ملا ہوا ہے۔ اگر سردار صاحب کی دلیل مان لی جائے تو راجدھانی ہونے کی وجہ سے دہلی میں گجراتی اور مدراسی زبانیں جاننے والے بھی تو کافی تعداد میں آباد ہیں تو کیا ان زبانوں کو دہلی میں علاقائی زبان کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟

ہمیں اندیشہ ہے کہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دینے کے علاوہ بیک وقت دو زبانوں کو علاقائی زبان قرار دینے کی تجویز محض اس لیے پیش کی گئی ہے کہ اردو کو ختم کرنے کی مہم کامیاب ہو جائے۔ حکومت دونوں زبانوں کو علاقائی درجہ نہیں دے گی۔ اس طرح سے پنجابی زبان کو تو کوئی پوچھے گا نہیں لیکن اردو کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ رجحان پردھان منتری شری جواہر لال کے اس نقطۂ نظر کے خلاف ہے کہ اردو کو علاقائی زبان کا درجہ دینے کے لیے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ پنجابی زبان کی ترقی کے لیے جد و جہد کرنی چاہیے۔ اسے پنجاب میں علاقائی زبان کا درجہ مل چکا ہے اور ہمیں اس پر خوشی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اردو کو کوئی درجہ نہ ملے اور یہ عظیم زبان محض اس لیے ختم کر دی جائے کہ سیاست داں سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اس کے حق میں آواز بلند کرنا نہیں چاہتے اور اگر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کوئی ایسی شرط لگا دیتے ہیں کہ اس تجویز پر کوئی توجہ ہی نہ دے۔

(اداریہ نوٹ "سنسار" ۳۰ اکتوبر ۵۶ء)

پریم چند کی برسی

منشی پریم چند کی بیسویں برسی ماسکو میں ادارہ علوم مشرقی، سوویٹ ادیبوں کی انجمن، سائنس اکاڈمی اور بیرونی ملکوں سے تہذیبی تعلق والی انجمن نے منائی۔

سائنس اکاڈمی کے رکن مسٹر گیرا — مسٹر پی بیلی شیف ایم اے۔ سی (لسانیات) اور مسٹر ظ۔ انصاری نے تقریریں کیں۔

ہندستان میں اجین، بھوپال اور مختلف مقامات پر برسی کے موقعے پر جلسے ہوئے۔

انجمن ترقی اردو دہلی

انجمن کی دو دلچسپ اور اہم نشستوں کی تفصیلی کارروائی آخر وقت میں پہنچی ہے اس لیے اس اشاعت میں نہیں دی جا سکی۔

ان نشستوں میں ایک کی صدارت پنڈت سندر لال جی نے کی اور دوسری کی جناب سید سجاد ظہیر صاحب نے۔

بقیہ [illegible] صفحہ [illegible] سے آگے

[illegible] دست رضا [illegible] انجمن کے دامن کو دور رکھیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ [illegible] چند ادارے [illegible] عناصر کے غلبہ کو قبول کر لیا جائے۔ اب صرف حقیقت پسندی [illegible] کر سکتے ہیں جن کے اثرات صحت مند ہوتے ہیں۔

انجمن کے ترجمان "ہماری زبان" کی ترتیب و تدوین میں پیدا شدہ تبدیلی [illegible] انقلاب کی حامل ہے [illegible] صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

خطبۂ صدارت

کل ہند اردو مجلس آندھرا

ڈاکٹر وی کے سیتہ وادی ممبر پارلیمنٹ

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

اہل اردو کی صرف یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اردو اردو کا شور مچاتے رہیں اور اردو کے خلاف جو محاذ بن چکا ہے اس کا ماتم اور شکایت کرتے رہیں۔ بلکہ ان کی بہت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان مشکلات سے باہر نکلنے کا راستہ بھی تلاش کریں اور قابل عمل پروگرام سامنے رکھیں جس سے ہم موجودہ کشیدگی کو دور کر کے وہ ماحول پیدا کر دیں کہ ہندی والے اردو کو اپنا ہی ایک روپانتر (عکس) تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ہندی کے متعلق بھی مجھے دو باتیں عرض کرنے دیں۔ یاد ہے کشمکش کے بعد جو حالات پیش آئے اردو پر ایک سخت دور گزرا۔ اور انگریزی سے دفتری میدان میں قدم جمائے۔ اس وقت بھی ہم نے ایک نیا دور اس قسم کی ہیجانی کیفیت میں گزارا۔ اور جب ہم نے ماحول کو ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو دنیا بہت دور جا چکی تھی۔

ہندی آج ہماری سرکاری زبان بن چکی ہے اور یہ فیصلہ ہم نے سوچ سمجھ کر خود ہی کیا ہے۔ اس فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی اردو کے زوال کا تصور ہمارے ذہنوں میں نہیں گزرا۔ آج ایک عملی انسان کے طور پر ہمارا فرض ہے کہ اس فیصلے کو اسی اسپرٹ میں تسلیم کریں۔ جس میں یہ کیا گیا تھا۔ سوال مسلمانوں کا نہیں ان کروڑوں ہندوؤں کا بھی ہے جو ہندی سے ناواقف ہیں اور صرف اردو ہی جانتے ہیں۔

اردو نے ہمیشہ دیگر زبانوں کے علوم کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ مختلف مذہبی نسخوں کی اشاعت میں فراخ حوصلگی دکھائی ہے۔ ہندی سیکھنا ہماری ضرورت ہے۔ لیکن اردو جاننے والوں کو ہندی سکھانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے فرصت ہے نہیں یہ کام ہاتھ میں لے لینا چاہئے کہ اردو زبان میں ایسا لٹریچر تیار کریں جو ہندی زبان اور اس کا صرف و نحو سیکھنے میں امداد کر سکے۔

انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے اس جانب پہلا اور نہایت اہم قدم اٹھا دیا ہے اور ایک نہایت قیمتی کتاب "اردو ہندی ڈکشنری" شائع کر دی ہے جس نے اردو اور ہندی کے درمیان ایک پل باندھ دیا ہے ہمیں ابھی یہ کام اور آگے بڑھانا ہے۔

مرکز اور صوبائی حکومتوں سے مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے حکومت کی لسانی پالیسی اور اقلیتی زبانوں کے تحفظ کے متعلق اعلانات بالکل واضح ہیں۔ اور اس میں حرف شکایت کی گنجائش بہت کم ہے۔ لیکن اس کے جو نتیجے ہمارے سامنے عملی شکل میں اس پالیسی پر عمل کر رہے ہیں وہ بنیادی پالیسی کی روح کو مجروح کرتی ہے۔ مثال کے طور پر آل انڈیا ریڈیو کی زبان اور شعبۂ اشاعت کی ہندی مطبوعات میں جو زبان استعمال کی جا رہی ہے وہ نہ عوامی زبان ہے نہ کبھی عوامی زبان بن سکتی ہے۔ ریڈیو کی یہ زبان تو اس زبان سے بھی قطعی مختلف ہے جو شعبۂ نشریات کے وزیر ڈاکٹر کیسکر بولتے ہیں۔ یہ زبان اس مقصد کو ناکام بنا رہی ہے جس کے لئے اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی حکومت کی کارگزاری اور منصوبوں سے عوام کو آگاہ اور روشناس کرانے کے لئے ایک عوامی زبان کی ضرورت ہو اور یہ زبان ہماری ریڈیائی زبان سے بالکل مختلف ہے اس میں اصلاح ہو جائے تو خبروں کے ہندی اور اردو پروگرام کی الگ الگ ضرورت نہ رہے۔

اپنی گزارشات ختم کرنے سے پہلے مجھے آندھرا اور صوبائی مجلس اردو کے متعلق کچھ عرض کرنے کی اور اجازت دیجئے۔ بے حد اطمینان اور مسرت کی بات ہے۔ کل آندھرا اردو مجلس نے اس شمع کو روشن کر کے دکن کی قدیم روایات کو زندہ رکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو زبان نے جنم دہلی میں لیا ہے۔ مگر اس کے ادب کی نشو و نما دکن میں ہوئی ہے۔ اس شیر خوار بچے کو اپنی شفقت اور محبت بھری گود میں پرورش کرنے والوں میں دکن کے صوفیا اور ہندو مسلم شعراء سبھی شامل ہیں اور اردو اور دکن کا رشتہ اس قدر قدیم اور گہرا ہے کہ اردو کے ابتدائی ناموں میں دکنی بھی ایک نام ہے۔

پندرھویں صدی میں احمد نگر، بیجاپور، اور گولکنڈہ میں اردو نظم و نثر کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ سلم دیو دکنی، باقر آگاہ (ویلوری) وغیرہ دکن کے قدیم اردو (ادبا) تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ دلی اور لکھنو اردو کے مرکز ہیں۔ لیکن حیدرآباد نے اردو کی خدمت کر کے دکن کے نام کو نہ صرف زندہ رکھا ہے بلکہ چار چاند لگائے ہیں۔ آج بھی بنگلور، میسور، کرنول، حیدرآباد وغیرہ اردو کی خدمت بجا لانے میں پیش پیش ہیں۔

مجھے خوشی ہے آندھرا کی صوبائی حکومت نے ان روایات کو قائم رکھا ہے اور اردو کی سرپرستی اور تعلیم میں اس کا ریکارڈ دوسری صوبائی سرکاروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ یہاں ابتدائی اور ثانوی مدارس میں اردو زبان رکھنے والے بچوں کا ذریعہ تعلیم اردو رکھا گیا ہے۔ سرکار کی جانب سے اس مقصد کے لئے متعدد پرائمری، ہائی، ہائر سکنڈری اور ٹریننگ اسکول جاری ہیں۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں اردو زبان میں جوابات دینے کی اجازت ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کے وجے واڑہ اسٹیشن سے وقتاً فوقتاً اردو مشاعرے نشر ہوتے رہتے ہیں۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس پالیسی کے وضع کرنے میں آپ کی اردو مجلس کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

اب جبکہ حیدرآباد کا اردو بولنے والا علاقہ بھی آندھرا میں شامل ہونے والا ہے۔ یہ صوبہ دکن میں اردو بولنے والی شاید سب سے بڑی اکثریت کا علاقہ بننے والا ہے۔ میں نے ایک بات ذرا حیرت کے ساتھ سنی۔ یہ کہ موجودہ آندھرا صوبہ بننے سے پہلے صوبہ مدراس کے سرکاری شعبۂ ترجمہ میں اردو سیکشن جاری تھا۔ آندھرا کی علیحدگی کے بعد وہاں وہ سیکشن ختم کردیا گیا، کیونکہ اردو بولنے والوں کی اکثریت وہاں سے نکل گئی۔ لیکن آندھرا سرکار جس کو سابق مدراس کا جانشین کہا جاسکتا ہے۔ اپنی حدود میں اردو کی اتنی بڑی تعداد رکھتے ہوئے ابھی تک سرکاری شعبۂ ترجمہ میں اردو سیکشن قائم کرنے کا فیصلہ نہیں کرسکی۔ صوبوں کی نئی حد بندی کے بعد یہاں اردو کی اہمیت اور بڑھنے والی ہے۔ اس لئے اردو والوں کا یہ مطالبہ زیادہ وزنی ہوجاتا ہے کہ یہ اردو سیکشن قائم کردیا جائے۔

گزشتہ مردم شماری کی رپورٹ میں آندھرا کے باشندوں کی ایک قابل لحاظ تعداد کی مادری زبان اردو تسلیم کی گئی ہے۔ اور جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، یہ تعداد اور بڑھنے والی ہے۔ اس لئے آندھرا یونیورسٹی میں اردو اور فارسی کے شعبہ جات قائم کرنے کا مطالبہ ہمدردانہ توجہ کا مستحق ہے۔ جن تعلقات میں اردو بولنے والوں کی مناسب تعداد موجود ہے۔ وہاں اردو کے ابتدائی مدارس کا قیام اور جن اسکولوں اور کالجوں میں اردو سیکشن ابھی موجود نہیں ہے ان کا اجراء، وجے واڑہ ریڈیو اسٹیشن پر مشاعروں کے علاوہ اردو فیچر اور ادبی تقریروں اور گانوں کے نشر کرنے کا انتظام۔ اردو لائبریریوں کی مالی امداد اور سرپرستی اور سب سے زیادہ یہ کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے ماتحت آندھرا میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرنا ایسی ضروریات ہیں جن پر سرکار کو پوری اور فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے

مجھے اطمینان ہوتا ہے کہ آپ کے صوبہ میں اردو ہندی یا دیگر مقامی زبانوں کے درمیان کسی قسم کی کشیدگی اور تعصب نہیں ہے پچھلے دنوں کرنول میونسپلٹی نے جناب سید طاہر سیف الدین کو اردو زبان میں سپاسنامہ دے کر دیگر صوبوں کو ایک مثال دکھائی ہے۔ میں اس کے لئے آپ کو آپ کی اردو مجلس اور صوبائی سرکار کو مبارکباد دیتا ہوں!

حضرات! میں نے آپ کی بہت سی سمع خراشی کی ہے اس کی معذرت کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اردو کی خدمت کے سلسلے میں ایک حقیر حصہ ادا کرنے کا مجھے موقع دیا (بے حد)

(ختم شد)

مراسلات

تعزیت مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کی وفات پر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل جناب مولانا ریاست علی ندوی کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں تقریریں اور تعزیت کی تجویز منظور ہوئی۔

تاریخ وفات

جناب سراج صاحب دسوچھوی نے مولانا مرحوم کی وفات سے متاثر ہو کر کئی تاریخیں نکالی ہیں۔ عدم گنجائش کی وجہ سے صرف چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

تاریخ بہ تعمیہ
۱۳۰ ہجری ۲۰

از نتائج سراج دسوچھوی
۱۲ ہجری ۵۷

فرشتہ تمثال
۱۹۷ عیسوی ۱۱

مورخ طینت مصنف "شعر الہند" کی وفات
۱۹ عیسوی ۵۷

ہوئے رخصت مولوی عبدالسلام
اک جہاں کو کر گئے وقف الم
سن یہ ہجری دل حزیں سے آگیا لکھ
لوح کوکب مبرّا پاک نام
۱۹ ہجری

چل دئے احباب کی محفل سے آج
سن منزل نیک باطن، خوش کلام
عیسوی میں ہاتف نے کہا لکھ
خوش بیاں ماہ مجسم عبدالسلام
۱۹ عیسوی ۵۶

اطمینان جناب بی کے محمد عطاء اللہ صاحب ... سے لکھتے ہیں "اردو کا کام جن مضبوط ہاتھوں اور انجمن میں ہے اس سے مجھے یقین ہے کہ کامیابی ایک نہ ایک دن ضرور ہوگی۔"

ڈاکٹر بخت بہادر سریواستوا گورکھپور سے تحریر فرماتے ہیں "اب اخبار میں غزلیں بھی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اخبار دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ جس سے دل کو بہت راحت ہے۔"

"ہماری زبان" کی قیمت (سالانہ تین) منی آرڈر سے بھیجئے۔ وی پی میں چار آنے زیادہ خرچ ہوتے ہیں
(ایڈیٹر)

انجمن کی کتابیں

شعرا کے انتخابی سلسلے کی ۸ کتابیں

(۱) مجاز قیمت ۱۲/ آنے (۲) فیض قیمت ۱۲/ آنے (۳) مجروح سلطانپوری قیمت ۱۲/ آنے
(۴) اختر شیرانی " ۱۲/ " (۵) وحشت سیمابی " ۱۲/ " (۶) احمد ندیم قاسمی " ۱۲/ "
(۷) وجد قیمت ۱۲/ آنے (۸) مخدوم قیمت ۱۲/ آنے

۱۔ اردو ہندی ڈکشنری	مرتبہ انجمن	قیمت	۲۰/-
۲۔ اسلام کے علاوہ مذاہب کی تبلیغ میں اردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیز	"	۵/۸
۳۔ باپو کے قدموں میں	ڈاکٹر راجندر پرشاد	"	۱۰/-
۴۔ سیاسیات کے اصول	ہارون خاں شیروانی		
" حصہ اول	"	"	۲/-
" حصہ دوم	"	"	۲/-
" حصہ سوم	"	"	۱/-
۵۔ مرقع افغان (لودھی خاندان کی تاریخ)	"	"	۲/۴
۶۔ ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسن	"	۵/۸
۷۔ قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر عابد حسین	"	۴/-
۸۔ ہندوستانی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	"	۴/۸
۹۔ ادبی قومی تذکرے حصہ اول	کشن پرشاد کول	"	۲/-
۱۰۔ " " حصہ دوم	"	"	۴/۸
۱۱۔ اسلامی فن تعمیر	سید ضیاء الدین رفعت	"	۲/-
۱۲۔ کچھ زندگی بابت	ابو سالم		۳/۸
۱۳۔ نفسیات افراد	ولی الرحمن	قیمت	۱/۴
۱۴۔ اخلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	"	۴/۸
۱۵۔ ارتقائے فلسفہ	مظفر حسین خاں	"	۵/۸
۱۶۔ ایک مشرقی کتب خانہ	ضیاء الدین رفعت	"	۲/-
۱۷۔ مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	"	۴/-
۱۸۔ مشترکہ زبان	"	"	۴/۸
۱۹۔ پرچھائیں	آصف علی	"	۴/-
۲۰۔ حیات سرسید	ولی الرحمن	"	۴/۸
۲۱۔ حیات اجمل	قاضی عبدالغفار	"	۸/-
۲۲۔ محاسن کلام غالب	ڈاکٹر بجنوری	"	۱/۴
۲۳۔ میر تقی میر	خواجہ احمد فاروقی	"	۱۲/-
۲۴۔ احوال غالب	مختار الدین آرزو	"	۹/-
۲۵۔ نقد غالب	"	"	۱۲/-
۲۶۔ دھیمہ	منور لکھنوی		۳/-
۲۷۔ یادگار حالی	صالحہ عابد حسین		۴/۴
(نیا اڈیشن مع ترمیم و اضافہ)			

زیر طبع کتب

(۱) ذکر حافظ — سید سجاد ظہیر
(۲) انتخاب کلام میر — ڈاکٹر عبدالحق
(۳) اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام — ڈاکٹر عبدالحق
(۴) ترقی پسند ادب (نیا اڈیشن مع ترمیم و اضافہ) — سردار جعفری
(۵) مقالات حالی — خواجہ الطاف حسین حالی
(۶) مضامین خورشید الاسلام — خورشید الاسلام

شعرا کے انتخابی سلسلے کی مندرجہ ذیل کتابیں

(۱) کیفی
(۲) جذبی
(۳) آزاد
(۴) اختر انصاری
(۵) شاد عارفی

نئی کتابیں

یادگار حالی — مصنفہ صالحہ عابد حسین

مولانا حالی کی شخصیت کا صحیح عکس بحیثیت ایک انسان، بحیثیت ایک شاعر و ادیب اور بحیثیت ایک مصنف اور سوانح نگار پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا نیا اڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس اڈیشن میں حالی کی تصویر اور عکس تحریر بھی شامل ہے۔ قیمت ۴/۴/- روپے

نئی کتابیں

انتخاب جدید

پہلی جنگ عظیم سے دوسری جنگ عظیم تک کی اردو شاعری کا انتخاب جس میں اردو کے ممتاز شعراء کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔

مرتبہ: آل احمد سرور، عزیز احمد

قیمت ۳/- روپے

(اہتمام پرنٹر پبلشر نے تیکنیکل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر صدر دفتر انجمن سے شائع کیا)